تنزیل و تاویل

تفسیر آیہ۔ مَاکَانَ لِنَبِیٍّ اَنْ یَّکُوْنَ لَهٗ اَسْرٰی

از جناب مولوی محمد داؤد اکبر صاحب اصلاحی

قرآن مجید کے ایک طالب علم اپنے گرامی نامہ میں تحریر فرماتے ہیں؟

"آیات مَاکَانَ لِنَبِیٍّ اَنْ یَّکُوْنَ لَهٗ اَسْرٰی حَتّٰی یُثْخِنَ فِی الْاَرْضِ تُرِیْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْیَا وَاللّٰهُ یُرِیْدُ الْاٰخِرَةَ .... لَوْلَا کِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّکُمْ فِیْمَا اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ (انفال) کی تاویل میں جو روایات کتب تفاسیر و احادیث میں منقول ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ پر مختلف وجوہ سے عتاب ہوا کیا واقعتاً ویسا ہی ہے"۔

قبل اس کے کہ آیات مسؤل عنہا کی صحیح تاویل کی جستجو کی جائے مناسب ہوگا کہ وجوہ عتاب معلوم کرلی جائیں تاکہ حقیقت کا سراغ لگانے میں آسانی ہو۔ جو روایتیں تفسیر اور حدیث کی کتابوں میں ان آیات کے تحت میں نقل کی گئی ہیں ان پر غور کرنے سے عتاب کے حسب ذیل وجوہ مترشح ہوتے ہیں۔

(۱) بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ بدر سے مدینہ آکر سب سے پہلا کام یہ کیا کہ صحابۂ کبار کو جمع کرکے اسیران بدر کے بارے میں مشورہ طلب فرمایا۔ مختلف جانب سے مختلف صدائیں اٹھیں صدیق اکبرؓ نے فرمایا اے رسول پاک یہ اپنے ہی اقارب ہیں فدیہ لے کر چھوڑ دیجیے ممکن ہے آئندہ آستانہ اسلام پر سر جھکادیں لیکن فاروق اعظمؓ نے اس رائے سے اختلاف کیا اور فرمایا دین کے معاملہ میں اپنے اور پرائے کی تمیز نہ کرنی چاہیے چنانچہ انہوں نے تمام قیدیوں کے قتل کرنے کا مشورہ دیا اور اس طرح کہ علیؓ عقیل کی گردن ماریں اور حمزہؓ عباس کی، اور میں فلاں کو جو میرا قریبی ہے تہ تیغ کروں تاکہ کفر و شرک کے

بڑے بڑے ستون ڈہجائیں اور مسلمانوں کو اطمینان کامل نصیب ہو لیکن آپ نے اپنی بے پایاں رحمت و رافت کی بنا پر صدیق اکبر کا مشورہ پسند فرمایا۔ اور اسی کے مطابق قیدیوں سے فدیہ لے کر چھوڑ دیا اسیر (قتل نہ کرنے پر) یہ عتاب آمیز آیت نازل ہوئی مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ اَسْرٰى الآیۃ۔ جس کی وجہ سے آپ اور صدیق اکبرؓ رو پڑے۔

دوسری آیت (لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ) کے دو شان نزول تفسیر کی کتابوں میں بیان کیے گئے ہیں۔

(۱) بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ عتاب فدیہ لینے پر ہوا۔ اس لیے کہ غزوۂ بدر تک اس کی اباحت کا فتویٰ نازل نہ ہوا تھا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کا یہ فعل بہت ہی عجلت پر مبنی تھا۔ اس لیے وحی الٰہی نے بلا تاخیر یوں تنبیہ کی۔

لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَاۤ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ۔ اگر خدا کی جانب سے تحریر الٰہی نہ گزر چکی ہوتی تو (فدیہ لینے کی وجہ سے) تم سخت عذاب میں مبتلا ہو جاتے۔

(۲) متعدد روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ عتاب مال غنیمت لوٹنے پر ہوا اس لیے کہ مال غنیمت کسی نبی کے لیے بھی حلال نہ تھا وہ تو خیریت ہوئی کہ علم الٰہی میں اس کی اباحت مقدر ہو چکی تھی ورنہ مسلمان سخت مصیبت میں مبتلا ہو جاتے۔

یہ تینوں شان نزول سلف سے بھی کتابوں میں منقول ہیں چونکہ ان کے اقوال کی فہرست بہت طولانی ہے اس لیے ہم انھیں نظر انداز کرتے ہیں جسے تفصیل مطلوب ہو اسے تفسیر میں خصوصیت کے ساتھ ابن جریر اور در منثور کی جانب مراجعت کرنی چاہیے۔

اب میرے لیے دو ہی شکلیں ہیں یا تو ان تینوں شان نزولوں کو بلا چون و چرا تسلیم کروں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ ان احادیث و اقوال کو جن سے یہ شان نزول ترشح ہوتی ہیں اصول تحقیق پر پرکھوں، آسان راہ تو پہلی ہے لیکن محققین کی راہ کے یہ سراسر خلاف ہے، اس لیے ہم ان روایات کو محدثین کے اصول پر جانچیں گے۔ اس کے لیے پہلے چند اصول مسلمہ انھیں کی زبانی بیان کرتے ہیں۔

قال ابن الجوزی کل حدیث رأیتہ یخالف العقول او یناقض الاصول فاعلم انہ موضوع فلا یتکلف اعتبارہ ای لا تعتبر رواتہ ولا تنظر فی جرحھم او یکون مما یدفعہ الحس والمشاہدۃ او مباینا لنص الکتاب والسنۃ المتواترۃ والاجماع القطعی حیث لا یقبل شیٔ من ذالک التاویل۔ الخ (فتح المغیث)

ابن جوزی نے کہا ہے کہ جس حدیث کو دیکھو کہ عقل یا اصول مسلمہ کے خلاف ہے تو جان لو کہ وہ مصنوعی ہے اس کی نسبت اس بحث کی ضرورت نہیں کہ اس کے راوی معتبر ہیں یا غیر معتبر اسی طرح وہ حدیث بھی قابل اعتبار نہیں جو محسوسات اور مشاہدہ کے خلاف ہو یا وہ حدیث جو کتاب اللہ یا حدیث متواتر یا اجماع قطعی کے مخالف ہو اور جس میں تاویل کی بھی گنجائش نہ ہو۔

امام ابن جوزی کے کہنے کا منشا یہ ہے کہ حسب ذیل صورتوں میں روایت قابل اعتبار نہ سمجھی جائے گی۔

(۱) جو روایت عقل کے خلاف ہو۔

(۲) جو روایت اصول مسلمہ کے منافی ہو۔

(۳) محسوسات اور مشاہدات کے مخالف ہو۔

(۴) وہ حدیث جو قرآن مجید یا حدیث متواتر یا اجماع قطعی کے خلاف ہو اور اس میں تاویل کی بھی گنجائش نہ ہو۔

ملا علی قاری نے بھی اپنی مشہور کتاب موضوعات کے اختتام میں حدیثوں کے جانچنے کے چند اصول بیان کئے ہیں چونکہ ان کے اور امام ابن جوزی کے اصولوں میں تقریباً توافق ہے اس لیے ان کے اصولوں کا یہاں بیان کرنا غیر ضروری ہے۔ ہاں جسے تفصیل کی ضرورت ہو اسے ان کی تصنیف کا مطالعہ کرنا چاہیے۔

امام ابن جوزی نے ساقط الاعتبار ہونے کے وجوہ میں سے یہ دو وجہیں جو بیان کی ہیں کہ روایت کتاب اللہ اور عقل کے معارض ہونے کی صورت میں قابل اعتبار نہ ہوگی یہ دونوں اصول تو صحابہؓ کے عہد مبارک سے معمول بہ ہیں بالخصوص حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ نے تو انھیں دونوں اصولوں کی بنیاد پر متعدد روایات کی صحت تسلیم کرنے

سے انکار کر دیا ہے۔ اپنے اس دعوے کو مدلل کرنے کے لئے دونوں کی چند مثالیں ہم یہاں نقل کرتے ہیں۔۔۔۔

پہلے ہم وہ مثالیں نقل کریں گے جن سے معلوم ہوگا کہ صحابہ نے بہت سی روایات کا اس بنا پر انکار کیا ہے کہ وہ کتاب اللہ کے منافی تھیں۔

(۱) حضرت عبد اللہ بن عباسؓ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ اور بعض صحابہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا

ان المیت یعذب ببکاء اہلہ علیہ۔ مردہ پر اس کے گھر والوں کے رونے سے عذاب ہوتا ہے

حضرت عائشہؓ کے سامنے جب یہ روایت بیان کی گئی تو اس کے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور کہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی نہیں فرمایا واقعہ اتنا ہے کہ ایک دن آپ ایک یہودیہ کے جنازہ پر گذرے اس کے رشتہ دار اس پر واویلا کر رہے تھے آپ نے فرمایا یہ رو رہے ہیں اور اس پر عذاب ہو رہا ہے۔ اس کے بعد کہا قرآن تمہارے لیے کافی ہے خدا فرماتا ہے۔

ولا تزر وازرۃ وزر اخریٰ۔ کوئی (نفس) دوسرے کے گناہ کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔

دیکھیے حدیث چونکہ صریح نص کتاب کے خلاف تھی اس لیے حضرت عائشہؓ نے اسے قبولیت کا درجہ نہ دیا۔

(۲) اسی طرح غزوۂ بدر میں مقتولین قریش کے مدفن پر کھڑے ہو کر آپ نے فرمایا۔

ھل وجدتم ما وعد ربکم حقا۔ خدا نے تم سے جو وعدہ کیا تھا سچ پایا ؟

اس پر صحابہ نے (ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے) عرض کی یا رسول اللہ آپ مردوں کو پکارتے ہیں حضرت ابن عمرؓ وغیرہ سے روایت ہے کہ آپ نے اس کے جواب میں فرمایا۔

ما انتم باسمع منھم ولکن لا یجیبون۔ تم ان سے زیادہ نہیں سن سکتے لیکن وہ جواب دینے سے قاصر ہیں۔

حضرت عائشہؓ سے جب یہ روایت بیان کی گئی تو انہوں نے کہا آپ نے یہ نہیں بلکہ یہ ارشاد فرمایا۔

انھم لیعلمون الآن ما کنت اقول لھم حق۔ وہ اس وقت یقین جانتے ہیں کہ میں ان سے جو کچھ کہتا تھا وہ سچ تھا۔

اس کے بعد حضرت عائشہؓ نے قرآن مجید کی یہ آیت پڑھی۔

اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی وما انت بمسمع من فی القبور۔ (اے نبی تم مردوں کو (اپنی دعوت) نہیں سنا سکتے اور نہ قبر والوں کو۔

(۲) ایسے ہی حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ آنحضرت صلعم نے خدا کو دوبار دیکھا مسروق تابعی نے حضرت عائشہ رضہ سے جا کر پوچھا مادر من! کیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کو دیکھا تھا حضرت عائشہؓ نے کہا تم نے ایسی بات کہی جس کو سن کر میرے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو گئے جس نے تم سے یہ کہا ہے وہ جھوٹا ہے اور یہ آیتیں پڑھیں۔

(۱) لا تدرکہ الابصار وھو یدرک الابصار وھو اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ۔ نگاہیں اسے نہیں پا سکتیں وہ نگاہوں کو پا لیتا ہے اور وہ لطیف اور خبیر ہے۔

(۲) وما کان لبشر اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ۔ کسی بشر میں یہ طاقت نہیں کہ وہ اس سے باتیں کر سکے مگر بذریعہ وحی یا پردہ کی اوٹ سے۔

اسی طرح کی اور بہت سی روایتیں ہیں جن کی حضرت عائشہ رضہ نے قرآن کے خلاف پا کر تردید کی ہے ہم نے خوف طوالت کی بنا پر چند ہی مثالوں پر اکتفا کیا ہے۔

اب ہم وہ مثالیں نقل کرتے ہیں جن سے معلوم ہوگا کہ صحابہ رضہ نے بہت سی روایتوں کو خلاف عقل پا کر رد کر دیا۔

(۱) حضرت ابوہریرہ رضہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضہ سے حدیث بیان کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس چیز کو آگ چھو دے اس کے کھانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے حضرت ابن عباس نے کہا اس کے معنی تو یہ ہوئے کہ وضو میں گرم پانی بھی استعمال نہ کرنا چاہیے حضرت ابوہریرہ رضہ نے کہا اے بھتیجے جب تم آنحضرت کی کوئی حدیث سنو تو کہاوتیں نہ کہا کرو (ترمذی)

دیکھئے حضرت ابن عباس نے مذکورہ بالا روایت کو خلاف عقل پاکر کیسا عقلی معارضہ کیا ہے۔

(۲) حضرت عائشہ رضؓ کے سامنے جب یہ حدیث بیان کی گئی کہ لوگوں کے نوحہ کرنے سے مردہ پر عذاب ہوتا ہے تو آپ نے اس کو کتاب الٰہی اور عقل کے خلاف ہونے کی وجہ سے قبولیت کا درجہ نہ دیا اور یہ آیت پڑھی

لَا تَزِرُ وَازِرَۃٌ وِّزْرَ اُخْرٰی — کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔

امام ابن جوزی وغیرہ نے صحابۂ کرام اور بالخصوص حضرت عائشہ کے اجتہادات سے تحقیق روایت کے جو اصول مستنبط کیے ہیں وہ کتابی ہی نذر ہے بلکہ محدثین میں بھی ایک ایسا گروہ رہا ہے جو بعض روایتوں کو عقل یا نص کتاب کے مخالف ہونے کی وجہ سے تسلیم کرنے میں تامل کرتا رہا ہے گو ان کے رواۃ کتنے ہی ثقہ اور مستند کیوں نہ ہوں۔ تشفی کے لیے چند مثالیں نقل کرتے ہیں۔

(۱) صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت عباس رضؓ اور حضرت علی رضؓ حضرت عمر رضؓ کے پاس آئے حضرت عباس رضؓ نے حضرت عمر رضؓ سے کہا۔

اقض بینی وبین ھذا الکاذب الآثم الغادر الخائن۔ (مسلم کتاب الجہاد)۔ — میرے درمیان اور اس جھوٹے اور غائن کے درمیان فیصلہ کیجیے۔

چونکہ حضرت علی کی شان میں یہ الفاظ کسی مسلمان کی زبان سے نہیں نکل سکتے اس لیے بعض محدثین نے اپنے نسخہ سے یہ الفاظ نکال دیے۔

(۲) صحیح بخاری میں ہے کہ خدا نے حضرت آدم کو پیدا کیا تو ان کا قد ساٹھ گز کا تھا حافظ ابن حجر جیسے روایت پرست اس کی شرح میں فرماتے ہیں۔

ویشکل علی ھذا ما یوجد الآن من آثار الامم السالفۃ کدیار ثمود فان مساکنھم تدل علی ان قاماتھم لم تکن مفرطۃ الطول — اس پر یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ قدیم قوموں کے جو آثار اس وقت موجود ہیں مثلاً قوم ثمود کے مکانات ان سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کے قد اس قدر لمبے نہ تھے جیسا کہ

علی جمیع ما یقتضیہ الترتیب السابق ولم یظھر الی الآن ما یزیل ھذا الاشکال۔ (فتح الباری) ترتیب سابق سے ظاہر ہوتا ہے اور اب تک اس کا کوئی حل ظاہر نہ ہوا۔

یہ دونوں اصول ایسے ہیں جو صحابہ رضؓ کے عہد سعید سے لیکر محدثین تک روایات کے جانچنے کا ذریعہ رہے ہیں۔ جو روایت بھی ان کے خلاف پڑی ہے محدثین نے بلا رعایت اسے مردود ٹھیرایا ہے۔ اس کی تائید میں ہم مثالیں پیش کر چکے ہیں اب انھیں اصولوں پر ان روایات کو (جن سے آیات مسؤل عنہا میں عتاب کے اتنے وجوہ مترشح ہوتے ہیں) پرکھتے ہیں۔

ہم نے ان تمام روایات کو (جن سے عتاب کی اتنی صورتیں نکلی ہیں) مذکورہ بالا اصولوں کی کسوٹی پر کسا لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ نہ تو وہ قرآن ہی کے معیار پر پوری اترتی ہیں اور نہ عقل ہی کے۔

اب ہم وہ آیات اور عقلی وجوہ جو مذکورہ عتابوں کے خلاف ہیں ترتیب وار نقل کرتے ہیں۔

(۱) نص کتاب کے خلاف ہیں۔

خداوند تعالیٰ کا یہ دستور ہے کہ رسالت کے لیے وہ ایسے لوگوں کا انتخاب کرتا ہے جو ہر لحاظ سے کامل ہوا کرتے ہیں، اس لیے وہ جو کچھ بھی کرتے ہیں رضاء الٰہی ہی کے لیے کرتے ہیں۔ ان کا کوئی قدم غلط راہ میں نہیں اٹھتا بسا اوقات تو فریضۂ الٰہی کی ادائیگی میں اس حد تک غلو کر جاتے ہیں کہ خدا کو لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَفْسَكَ کے محبت آمیز عتاب سے روکنا پڑتا ہے۔ اس قسم کے محبت آمیز عتاب قرآن میں بے شمار مواقع پر ہیں (مثلاً اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَنْ فِي الْقُبُوْرِ۔ اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ۔ مَا اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰى) لیکن دراصل یہ عتاب نہیں پیار کے کلمے ہیں۔ افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ عام لوگوں نے ان آیات کو دوسرے معانی میں لیا ہے جو کسی طرح بھی قرین قیاس نہیں ایسے ہی آیات مسؤل عنہا میں عتاب کا پہلو نکالنا خوش فہمی کا نتیجہ ہے اس لیے کہ قرآن کی بے شمار آیات اس کے معارض ہیں ملاحظہ ہو۔

وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا۔ (طور) امر الٰہی پر ثابت رہو بےشک تم ہماری نگرانی میں ہو۔

(۲) عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖۤ اَحَدًا ۝ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّهٗ يَسْلُكُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا ۝ لِّيَعْلَمَ اَنْ قَدْ اَبْلَغُوْا رِسٰلٰتِ رَبِّهِمْ (الایۃ جن)

اسی کو علم غیب حاصل ہے وہ اپنے غیب پر کسی کو نہیں جتاتا بجز اسکے جسے اس نے رسالت کے لیے منتخب کر لیا ہے اس کے آگے پیچھے محافظ مقرر کر دیا ہے تاکہ یہ بات ظاہر ہو جائے کہ انہوں (رسل) نے اپنے رب کے پیغاموں کو بندوں تک پہنچا دیا ہے

۳۔ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا (بقرہ)

خدا کسی کو اس کی وسعت سے زیادہ کا مکلف نہیں کرتا۔

دیکھیے مذکورۂ بالا آیات سے صاف ظاہر ہے کہ نبی خدا کے اشارہ پر چلتا ہے، اس کی تمام حرکات و سکنات خدا اور مقربین خاص کی نگرانی میں ہوتی ہیں۔ اگر نبی فریضۂ تبلیغ و ارشاد میں غلو کر جاتا ہے تو اسے محبت آمیز تنبیہ سے روک دیا جاتا ہے۔ بالفرض اگر نبی سے کوئی اجتہادی غلطی (خدا کی نگرانی میں ہوتے ہوئے) ہو بھی گئی تو اس پر عتاب کے کوئی معنی نہیں۔ اس لیے کہ نبی کو علم غیب تو ہے نہیں اور بغیر راہ صواب دکھائے کسی غلطی پر عتاب تکلیف مالایطاق ہے لیکن ہم تو ثابت کریں گے کہ نبی سے اس مقام پر (اسیران بدر کے بارے میں) کوئی چوک نہ ہوئی۔ نبی نے تو ٹھیک علم الٰہی کے مطابق فیصلہ کیا ان لوگوں کی خوش فہمی کا اس میں بہت زیادہ دخل ہے۔

(۲) عتاب کے تمام وجوہ مذکورہ خلاف عقل ہیں۔

اگر عتاب قتل نہ کرنے پر ہوا جیسا کہ سلف میں سے بعض بزرگوں کا خیال ہے تو اس کے یہ معنی ہیں کہ مذہب اسلام جس کے متعلق یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ وہ سارے عالم کے لیے رحمت بن کر آیا ہے۔ جھوٹ ہے اور مخالفین کا یہ نظریہ کہ جب تک اسلام مکہ میں کس مپرسی کے عالم میں تھا اس وقت تک تو دبا رہا لیکن مدینہ میں آتے ہی (جب ذرا طاقت حاصل ہو گئی) آپے سے باہر ہو گیا اور ظلم و ستم کا بازار گرم کر دیا بالخصوص بدر کی لڑائی میں تو اسلام کی کتاب میں اسیران بدر کے لئے رہائی کی کوئی صورت ہی نہ تھی۔

(۳) اگر عتاب فدیہ لینے پر ہوا جیسا کہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے اور سبب عتاب یہی ہے کہ

آنحضرت صلعم اور صحابہ نے اسے قبل از وقت حلال سمجھ لیا حالانکہ فدیہ کا مال اس وقت تک جائز نہ ہوا تھا تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ خدا کی جانب سے اس کی بابت کوئی تصریح تھی یا نہیں؟ اگر نہیں تھی تو اس پر عتاب کے کوئی معنی نہیں اور یہ ثابت ہے کہ اس بارے میں کوئی تصریح نہ تھی روایتیں بھی اس کی تائید کرتی ہیں۔ فلیراجع۔

(۳) اسی طرح اگر سبب عتاب مال غنیمت کا لوٹنا ہے تو اس میں بھی وہی زحمت پڑے گی اور سوال یہ ہوگا کہ جب اس کی حلت علم الٰہی میں مقدر ہو چکی تھی (جیسا کہ روایات بھی اس کی تائید میں وارد ہیں) تو اس پر عتاب کے کیا معنی؟

سابق تصریحات سے ثابت ہوگیا کہ آیات مستفسر عنہا کے تحت میں جتنے شان نزول بیان کیے گئے ہیں ان میں سے کوئی بھی نہ تو نقل ہی پر پورا اترتا ہے اور نہ عقل ہی پر۔ یہ تو ممکن نہیں کہ یہ تمام کی تمام روایات ناقابل اعتبار ہیں اس لیے کہ ان میں سے بعض نے صحاح میں بھی جگہ پائی ہے لیکن میں جرأت کرکے یہ ضرور کہوں گا کہ ان میں سے بعض روایتیں راویوں کی بے احتیاطی کی شکار ہو گئی ہیں۔ مثال کے طور پر اس روایت کو سامنے رکھیے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابہ سے مشورہ طلب کرنا مذکور ہے۔ یہ مشورہ تو اپنی جگہ بہت ٹھیک ہے اس لیے کہ حکم تھا وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ۔ لیکن اس روایت کا آخری ٹکڑا کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتا جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صدیق اکبرؓ کے رونے اور آپ کے سامنے مثال عذاب پیش ہونے کا تذکرہ ہے۔ اس ٹکڑے کی تضعیف تو علامہ ابن حزم ظاہری نے بھی اپنی کتاب ملل ونحل میں محدثانہ طور پر کی ہے۔ ملاحظہ ہو۔

وَاما الجزء الذي فيه لقد عرض علي عذابكم ادنى من هذه الشجرة ولو نزل عذاب ما نجى منه الا عمر فهذا خبر لا يصح لان

رہی وہ حدیث جس میں مذکور ہے کہ مجھ پر اس درخت کے قریب تر عذاب پیش کیا گیا اگر وہ نازل ہو جاتا تو بجز عمر کے اور کسی کی بھی خیریت نہ تھی، یہ روایت صحیح نہیں اس لیے

المنفرد بروایتہ عکرمۃ بن عمار الیمامی	کہ عکرمہ بن عمار یمامی اسکی روایت میں منفرد ہیں اور یہ
وھو ممن قد صح منہ وضع الحدیث و	بزرگ ان لوگوں میں سے ہیں جن پر وضع حدیث اور سوٗ
سوء الحفظ الخ (مل ونحل جلد ۱)	حفظ دونوں کا الزام ثابت ہو چکا ہے۔

رہیں وہ روایتیں جن سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ فدیہ لینے یا مال غنیمت کے لوٹنے پر عتاب ہوا ان میں کا وہ حصہ جس میں مال غنیمت کی حرمت مذکور ہے وہ تو صحیح ہے۔ اس لیے کہ روایات اور توراۃ وغیرہ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اور قوموں کے لیئے اس قسم کی رقمیں ممنوع تھیں لیکن انہیں یہاں پر چسپاں کرنا کسی طرح مناسب نہیں بخاری شریف میں آپ کے خصائص کے سلسلہ میں مال غنیمت کی حلت کا بیان ضرور ہے لیکن اس واقعہ کا مطلق ذکر نہیں غالباً یہ غیر محتاط مفسرین کا کام ہے۔ واللہ اعلم۔

اب ہم آیات مسئول عنہا کی صحیح تاویل پیش کریں گے لیکن اس کے سمجھنے کیلئے ایک نہایت ضروری اصول بیان کر دوں جس کی طالب قرآن کو ہر ہر قدم پر ضرورت ہے اور جس کے بغیر بعض مواقع پر سخت دھوکا کھانے کا اندیشہ ہے۔

ایک ضروری اصول | یہ ایک قاعدۂ کلیہ ہے کہ ہر بات کا کوئی نہ کوئی موقع ومحل ہوتا ہے، خواہ کوئی کلام ہو جب تک اس کے موقع ومحل کی رعایت کرکے غور نہ کیا جائے گا سمجھ میں آنا ممکن نہیں۔ یہ زحمت تو انسانوں کے کلام میں بھی ہوتی ہے۔ دیوان عرب کا ایک ایک شعر کیوں چیستان بن گیا؟ اس کی محض یہی وجہ ہے کہ بلا موقع ومحل کے ان پر غور کیا گیا اور شرحیں لکھدی گئیں۔ اسی اصل کے تغافل سے زمانۂ حال کے بعض مفسرین نے آیت:۔ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ ھَادُوْا وَالنَّصَارٰی وَالصَّابِئِیْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ الآیۃ (بقرۃ: ۸)۔ سے ایمان بالرسالت کو غیر ضروری قرار دے دیا ہے، حالانکہ سورۂ نساء کی آیت اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْفُرُوْنَ بِاللّٰہِ وَرُسُلِہٖ وَیُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّفَرِّقُوْا بَیْنَ اللّٰہِ وَرُسُلِہٖ وَیَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ .... اُولٰٓئِكَ ھُمُ الْکَافِرُوْنَ حَقًّا" (رکوع ۲۱)۔ بیانگ دہل اعلان کر رہی ہے کہ بغیر ایمان بالرسالۃ

کے ایمان وہ ابھی قابل اعتبار نہیں.........اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ قرآن مجید میں بے شمار ایسی آیات ہیں جو سوال مقدر کے جواب میں واقع ہیں جن مواقع پر سوالات مذکور ہیں وہاں تو کوئی زحمت نہیں لیکن جن مقامات پر سوالات مقدر ہیں وہاں طالب قرآن کو جوابات سے سوالات مقدرہ کی تعیین کرنی چاہیے، ورنہ ان آیات کو ٹھیک نہیں سمجھ سکتا، مثلاً اگر کوئی آیت وَاِنْ یَّرَوْا كِسْفًا مِّنَ السَّمَآءِ سَاقِطًا یَّقُوْلُوْا سَحَابٌ مَّرْكُوْمٌ (الطور: ۲) میں جو سوال مقدر ہے اس سے واقف نہ ہو تو وہ اس آیت کو پڑھ کر ضرور سمجھیگا کہ خدا نے یہ کیا بات کہدی؟ اس قسم کی بہت سی مثالیں ہیں۔ خوف طوالت مانع نہ ہوتا تو اس پر تفصیلی بحث کرتے۔ میرے خیال میں آیات مسؤل عنہا کی تاویل میں اتنے اختلاف کی یہی وجہ ہے کہ اس اصل کی رعایت نہیں کی گئی۔ اگر یہ اصول ملحوظ ہوتا تو کم از کم سبب عتاب میں اختلاف نہ ہوتا اب ہم اس اصول کو ملحوظ رکھتے ہوئے آیات مسؤل عنہا کی تاویل کرتے ہیں۔

ہمارے نزدیک یہ آیات چند در چند سوالات کے جواب میں واقع ہیں وہ یہ ہیں کہ یہود کو مسلمانوں سے سخت عداوت تھی، وہ اسلام کو اپنے لیے سم قاتل سمجھتے تھے، اس لیے اس کے خلاف طرح طرح کے پروپگنڈے کرتے، کبھی کہتے نبوت و رسالت تو بنی اسرائیل کے لیے مخصوص ہے، کبھی کفار کو یوں سبق پڑھاتے کہ آج تک جتنے انبیاء گذرے ہیں سب کے ہاتھوں معجزات و خوارق کا ظہور ہوا ہے۔ ذرا اس مدعی نبوت سے کوئی معجزہ مانگو تو اگر واقعی اپنے دعوی رسالت میں سچا ہوگا تو کوئی نہ کوئی معجزہ دکھلائے گا ورنہ اس کے ادعاء رسالت کا پول کھل جائے گا۔

وَاِذَا جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ مَآ اُوْتِىَ رُسُلُ اللّٰهِ (الانعام: ۱۵) الآیۃ — اور جب ان کے پاس کوئی آیت آتی ہے تو وہ کہتے ہیں ہم تو اس وقت تک ایمان لانے کے نہیں جب تک اسی طرح کے نشانات جو انبیاء سابقین کو دیئے گئے ہیں ہمیں بھی نہ دیئے جائیں۔

کبھی خود ہی عوام کو بھڑکانے کے لیے طلب معجزہ کرتے۔ ملاحظہ ہو۔

قَالُوْا لَوْلَآ اُوْتِیَ مِثْلَ مَآ اُوْتِیَ مُوْسٰی اَوَلَمْ يَكْفُرُوْا بِمَآ اُوْتِیَ مُوْسٰی مِنْ قَبْلُ (القصص) وہ کہتے ہیں کیوں نہیں جس طرح موسیٰ کو نشانات دیے گئے اسے بھی دیے جاتے؟ مگر کیا اس سے پہلے وہ اُن آیتوں کا بھی انکار نہیں کر چکے ہیں جو موسیٰ کو دی گئی تھیں۔

الغرض مذہب اسلام کے خلاف انہوں نے ہر طرح کی تدبیریں کیں بہت سے تو اسلام کو مٹانے کے لیے دوست نما دشمن بن گئے۔ غزوۂ بدر جو تاریخ اسلام کی پہلی لڑائی ہے اس کے بھی درپردہ یہی محرک تھے۔ ملاحظہ ہو:-

وَاِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَاِنِّیْ جَارٌ لَّكُمْ فَلَمَّا تَرَآءَتِ الْفِئَتٰنِ نَكَصَ عَلٰی عَقِبَيْهِ الآیۃ (۸ : ۶) یاد کرو جب شیطان (یہود) نے کفار کی تدبیروں کو خوشنما کر دکھایا اور کہا آج تم سے کوئی نہیں بازی لے جا سکتا میں تمہارا ضامن ہوں جب دونوں جماعتیں آمنے سامنے ہوئیں تو چپکے سے کھسک گیا۔

لیکن جب کفار کو شکست فاش ہوئی اور یہ لڑائی بجائے اس کے کہ مسلمانوں کے لیے صاعقہ ہلاکت ہوتی آب زلال ثابت ہوئی تو یہود جل مرے۔ چنانچہ بعضوں نے کہا بھی کہ ... ہم سے مقابلہ پڑا ہوتا تو دکھلا دیتے اس شکست کے بعد چاہیے تو یہ تھا کہ یہود ہاتھ پہ ہاتھ رکھکر بیٹھ جاتے لیکن بھلا وہ اسلام کا بڑھتا ہوا سیلاب کیسے دیکھ سکتے تھے۔ اب انھیں کفار کو از سر نو مسلمانوں کے خلاف مشتعل کرنا تھا اس لیے ایک نہایت موثر تدبیر سوچی اور اپنی تقریر کو اس قالب میں ڈھال دیا کہ نبی تو سراپا رحمت ہوا کرتا ہے۔ مگر یہ تو رسالت کے بھیس میں لوگوں کو قتل کرنے اور لوٹنے ہی میں رہتا ہے۔ بھلا نبی کی شان کے یہ مناسب ہے؟ آیات مسئول عنہا میں انہی سوالات مقدرہ کا جواب دیا گیا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو قصر نبوت کی آخری اینٹ ہیں۔ انھیں چھوڑو۔ اس قدسی جماعت کا تو ایک ایک فرد اس سے کہیں ارفع ہے کہ قید و بند کرے قتل و خونریزی تو بہت دور کی چیز ہے۔ اور اس ملکوتی گروہ میں سے کوئی بھی اس خاکدان عالم میں ملوکیت کے لیے نہ آیا تھا

بلکہ سب کے سب ارض الٰہی سے شر و فساد کو دور کرنے آئے تھے۔ اسی لیئے ہر ایک نے احقاق حق اور ابطال باطل میں جَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ پر عمل کیا ہے لیکن جب پرستاران باطل نے اپنی پوری طاقت سے حامیان حق پر حملہ کیا ہے تو انہوں نے حق کے لیے جنگ کی ہے۔ اس میں قید و بند کی بھی نوبت آئی ہے۔ قتل و خونریزی کی بھی لیکن ایسا ملوکیت پرستی کی بنا پر نہیں ہوا ہے بلکہ حق کی خاطر یہ تو تمہارا شیوہ ہے کہ متاع دنیا کی ہوس میں اپنا ایمان و ضمیر سب قربان کر دیتے ہو اور طلب دنیا میں ایسی شرمناک صورتیں اختیار کر رکھی ہیں کہ اگر سنۃ اللہ مانع نہ ہوتی تو زمین شق ہو جاتی اور تم ہمیشہ کے لیے اس میں سما جاتے۔ اسے دوسرے لفظوں میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ یہود کی مسلمانوں کے خلاف تگ و دو کی اصلی وجہ دینی و دنیاوی رسوخ کا تحفظ تھا۔ اس کے بچاؤ کے لیے باوجود اس کے کہ وہ جانتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث من اللہ ہیں انکار کرتے تھے۔ انکار ہی نہیں لوگوں کو آپ کے خلاف بھڑکاتے بھی تھے۔ اسی ذلیل مقصد کے لیے یہ فتنہ کھڑا کیا تھا۔ اس پر خدا نے انھیں سخت ڈانٹ بتائی گو بظاہر خطاب کفار سے ہے لیکن درپردہ یہودیوں پر ضربیں لگائی ہیں اس لیے کہ تمام فتنوں کے سرچشمہ وہی تھے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ آیات مسئول عنہا کے الفاظ سے بھی ہماری تاویل نکلتی ہے یا نہیں اس کے لیے ضرورت ہے کہ کلمات ذیل کی تحقیق کی جائے۔

حتّٰی۔ تریدون عرض الدنیا۔ کتاب۔ فیما اخذتم۔

(۱) حتّٰی، لفظ حتّٰی ہمارے نزدیک یہاں پر غایت کا نہیں ہے بلکہ ترقی کا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ کلام عرب میں یہ لفظ اس معنی میں آتا بھی ہے یا نہیں چونکہ جو معنی ہم لے رہے ہیں عام لوگوں کے نزدیک غریب ہے اس لیے اس کی تائید میں کلام عرب سے چند شہادتیں نقل کرتے ہیں۔

فرزدق کہتا ہے۔

فیا عجبا حتّٰی کلیب تسبنی کان اباہ نہشل و مجاشع

حیرت ہے کہ قبیلۂ کلیب تک میرے منہ لگ رہا ہے۔ گویا کہ اس کا جد امجد نہشل ہے یا مجاشع۔

ایک دوسرا شعر ملاحظہ ہو۔

القی الصحیفۃ کی یخفف رحلہ والزاد حتی نعلہ القاھا

اس نے صحیفہ اور توشہ زمین پر ڈال دیا تاکہ اثاثہ کم ہو جائے حتی کہ کفش پا تک گرا دیا۔

یہ جملہ تو سب کے زبان زد ہوگا۔۔۔۔ مات الناس حتی الانبیاء۔

(۲) "تریدون عرض الدنیا" ہم کہہ چکے ہیں کہ آیات مسئول عنہا سوالات متعددہ کے جواب میں واقع ہیں بالفاظ دیگر یہ آیات یہودیوں کی حماقتوں کا دندان شکن جواب ہیں۔ اس لیے تریدون کا خطاب ہمارے نزدیک بظاہر تو کفار کی جانب ہے لیکن درپردہ اصل ڈانٹ یہودیوں پر ہے۔ اس لیے کہ وہی ان کے استاد اعلی تھے، وہ جو کچھ سکھاتے تھے یہ اسے قبول کر لیتے۔ اور یہ جواب بھی انھیں کی حالت کے مطابق ہے اس لیے کہ دنیا میں جتنی قومیں بستی ہیں ان میں سب سے زیادہ دنیا پرست یہود قوم ہے اس نے دنیا کے پیچھے اپنے مذہب کو محرف کر ڈالا۔ اور نہ معلوم کیا کیا ذلتیں اٹھائیں لیکن اس کی آنکھیں نہ کھلیں اور اسی نے اس آخری رسول کی مخالفت میں ایڑی چوٹی کا زور لگایا حالانکہ ان کی کتاب (توراۃ) کا حکم تھا کہ اس کی پیروی کرو لیکن برا ہو طمع کا۔

(۳) کتاب "کتاب" کا لفظ قرآن میں بے شمار معانی میں آتا ہے کہیں تو اس سے کتاب آسمانی مراد لیتے ہیں اور کہیں اعمالنامے اور بعض جگہ لوح محفوظ کے لیے آیا ہے۔ اس کی تعیین سیاق و سباق سے ہوتی ہے۔ یہاں پر کتاب سے مراد ہمارے نزدیک سنت اللہ یا قانون الٰہی ہے۔ جیسا کہ سورۂ حجر میں مذکور ہے۔

وَمَآ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا وَلَهَا كِتَابٌ مَّعْلُوْمٌ (حجر) ہم نے کسی بستی کو نہیں تباہ کیا مگر اس کی اجل معین یا قرار داد فیصلہ پر۔

(۴) اخذ "اخذ" کا مفہوم ہمارے نزدیک یہاں پر "اختیار" کرنا ہے سوال یہ ہے کہ لغت بھی اسی معنی

کی تائید کرتی ہے یا نہیں۔ چونکہ جام تاویل کو ملحوظ رکھتے ہوئے یہ مفہوم ذرا غریب ہے اس لیے اس معنی کی تائید ہم مستند لغت سے کریں گے۔

لسان العرب میں ہے۔

والعرب تقول لوکنت منا لاخذت باخذنا ای بخلائقنا و زینا وشکلنا و ھدینا۔ (لسان العرب جزء خامس)	اہل عرب یوں کہتے ہیں اگر تم ہم میں سے ہوتے تو ہمارے اطوار اور طرز رہائش اختیار کرتے۔

اور یہ جملہ ہر شخص روزانہ کی بول چال میں استعمال کرتا رہتا ہے، خذ ہذا او ذاک۔ اب تو میں یہ کہوں گا کہ اخذ کا لفظ جس معنی میں بھی آتا ہے ہر ایک کا معنوی قدر مشترک یہی ہے۔ یا یوں کہیے کہ ایک دروازہ میں آکر اور صورتوں میں جلوہ گر ہوتا ہے۔

خلاصۂ مباحث تفصیل بالا سے یہ حقیقت اچھی طرح واضح ہو گئی کہ آیات مسئول عنہا کے ماتحت تفسیر کی کتابوں میں جتنے شان نزول مذکور ہیں ان میں سے ایک بھی نہ تو میزان قرآن ہی پر پورا اترتا ہے، اور نہ عقل پر، اور نہ موقع محل ہی اتنے عتابوں کا متحمل ہو سکتا ہے۔ تو پھر سوال یہ ہے کہ اس کی حقیقت کیا ہے۔ اصل یہ ہے کہ آیات مسئول عنہا یہودیوں کے اعتراضات کے جواب میں واقع ہیں۔ ہم کہہ چکے ہیں کہ بدر کی فتح نے یہودیوں کو سراپا غیظ و غضب بنا دیا تھا اس لیے انہوں نے داعی اسلام اور جان نثاران محمد پر مذہبی رنگ میں اعتراضات کی بارش شروع کر دی۔ چونکہ وہ صاحب کتاب تھے اور ادعا بھی بڑی شد و مد سے کرتے تھے اس لیے ان کی پر فریب باتیں ضعفاء قلوب کے لیے تو باعث اضطراب ہوتیں اور کفار کے لیے مزید وحشت و نفرت کا سبب۔ اس لیے وحی الٰہی نے ان کے دجل و فریب کے تمام تو بر تو پردوں کو چاک کر کے حقیقت بے نقاب کر دی سہولت کے لیے ہم سوالات مقدرہ اور جوابات نمبر وار نقل کرتے ہیں۔

سوالات مقدرہ۔

(۱) "نبی تو سارے عالم کے لیے رحمت بن کر آتا ہے لیکن یہ مدعی نبوت تو سراپا عذاب ہے دیکھتے نہیں قتل وخونریزی کا بازار گرم کر رکھا ہے"۔

(۲) مال غنیمت کو اتباع محمدؐ نے جائز کر لیا ہے حالانکہ یہ مال کسی نبی کے لیے بھی جائز نہ تھا ارے ایسا تو اس نے لوگوں کو لوٹنے گھسوٹنے کے لیے کیا ہے'۔

جوابات ۔

(۱) قید و بند کرنا بھی نبی کے شایان شان نہیں قتل وخونریزی تو نبی کی شان جلالت کے سراسر منافی ہے یعنی نبی تو سراسر رحمت ہے اور سب کو رحمت کا مجسمہ بنا دینا چاہتا ہے لیکن پرستاران باطل اس کی راہ میں روڑے اٹکاتے ہیں چونکہ اس کے ساتھ حق ہوتا ہے اور خدا کو حق کی مظلومیت کبھی پسند نہیں ہے اسی لیے بسا اوقات عذاب الٰہی باد صرصر کی شکل میں نمایاں ہوتا ہے اور کبھی خسف ارض کی صورت میں اور بعض اوقات خدا مٹھی بھر آدمیوں میں وہ عزیمت پیدا کر دیتا ہے کہ پرستاران باطل کے بڑے بڑے لشکر ان کی مقاومت سے عاجز رہتے ہیں"۔

(۲) اے مسلمانو! اگر ان کا یہ خیال صحیح بھی ہو کہ مال غنیمت پہلے حرام تھا تو اب وہ حلال کر دیا گیا ہے اب اس کے استعمال میں جھجک نہ ہونی چاہیے رہے ان کے اعتراضات تو اس کی پروا نہ کرو کیونکہ یہ سب حماقتیں وہ تمہاری بڑھتی ہوئی ترقی کو دیکھ کر کر رہے ہیں، وہ تو تمہاری ہر روش کو خواہ کتنی ہی بہتر کیوں نہ ہو برا سمجھیں گے' اسی لیے آیات مسئول عنہا کے بعد والی آیت (فکلوا مما غنمتم حَلٰلًا طَيِّبًا وَاتَّقُوا اللّٰهَ إِنَّ اللّٰهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ) میں مال غنیمت کو حلال طیب کہا یعنی یہودیوں کا اعتراض سراسر باطل ہے اور پھر وَاتَّقُوا اللّٰهَ کہا یعنی مال غنیمت تو جائز ہے لیکن کہیں اس کے حصول کو کار ثواب نہ سمجھ لینا۔ بلکہ اگر لڑائی میں مل جائے تو اس کے استعمال میں قباحت نہیں۔ مگر اس کے لیے جنگ کرنا کبھی جائز نہیں ۔

ترجمان القرآن۔ ہمارے نزدیک آیت کی جو تاویل فاضل مضمون نگار نے بیان کی ہے صحیح نہیں ہے۔ آیت کی تاویل کے لیے اس کے سیاق و سباق پر نظر کرنا ضروری ہے۔ سورۂ انفال میں تو پہلے رکوع کے آغاز سے آخر سورہ تک تمام تر خطاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں سے ہے۔ کسی ایک آیت میں کوئی ایک اشارہ بھی ایسا نہیں پایا جاتا جس سے یہ شبہہ کیا جا سکتا ہو کہ ان آیات میں کسی اعتراض کا جواب دیا جا رہا ہے۔ پھر اگر یہ فرض بھی کر لیا جائے کہ خطاب یہودیوں ہی سے ہے تو فَكُلُوا مِمَّا غَنِمْتُمْ کا خطاب کس سے ہوگا؟ ایک ہی سلسلہ کلام میں کہیں مسلمانوں سے خطاب اور کہیں یہودیوں سے خطاب اور پھر کوئی قرینہ بھی ایسا نہیں جس سے دونوں خطابوں میں تمیز کی جا سکتی ہو، کلام کو اس قدر مہمل بنا دیتا ہے کہ اسے خدا کی طرف منسوب کرنا تو درکنار کسی فصیح البیان آدمی کی طرف بھی منسوب کرنا درست نہ ہوگا۔ مزید براں جو کچھ تاویل صاحب مضمون نے لَوْلَا كِتَابٌ مِّنَ اللَّهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيمَا أَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ کی فرمائی ہے وہ ایک ہی آیت کے بعد خود قرآن کے بیان سے ٹوٹ جاتی ہے۔ وہ اس آیت کے معنی یہ کرتے ہیں کہ اے یہود! طلب دنیا میں تم نے جو طریقہ اختیار کر رکھا ہے، اگر سنت اللہ مانع نہ ہوتی تم پر سخت عذاب آتا"۔ لیکن آگے چل کر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّمَنْ فِي أَيْدِيكُمْ مِّنَ الْأَسْرَىٰ إِنْ يَعْلَمِ اللَّهُ فِي قُلُوبِكُمْ خَيْرًا يُؤْتِكُمْ خَيْرًا مِّمَّا أُخِذَ مِنْكُمْ۔ (اے نبی تمہارے پاس جو قیدی ہیں ان سے کہو کہ اگر اللہ دیکھے گا کہ تمہارے دلوں میں کوئی بھلائی ہے تو جو کچھ تم سے لیا گیا ہے وہ اس سے بہتر چیز تم کو دے گا)۔ یہ آیت صاف بتا رہی ہے کہ اوپر والی آیت میں فیما اخذتم سے مراد وہی فدیہ ہے جو ان قیدیوں سے لیا گیا تھا۔

ہمارے نزدیک کسی خیالی اعتراض سے بچنے کے لیے قرآن کے معانی میں اس قدر بعید تاویلیں کرنا درست نہیں جن کا ساتھ نہ تو قرآن کے الفاظ دیتے ہوں، نہ عبارت کا سیاق و سباق، نہ مشہور روایات ان کو علماء امت کی اکثریت نے تسلیم کیا ہو۔ اگر صاحب مضمون خود قرآن مجید کی مدد سے اس آیت کا مفہوم سمجھنے کی کوشش کرتے تو ان کو اس قدر تکلف کی ضرورت ہی نہ پیش آتی۔ سورۂ محمد میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا:

فَاِذَا لَقِیْتُمُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ	پس جب کفار سے تمہاری مڈبھیڑ ہو تو گردنیں مارو یہاں
حَتّٰۤى اِذَاۤ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ فَاِمَّا	تک کہ جب تم ان کو خوب اچھی طرح کچل دو تب انھیں باندھ
مَنًّۢا بَعْدُ وَ اِمَّا فِدَآءً حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ	لو پھر یا تو ان کے ساتھ احسان کرو یا فدیہ لے کر چھوڑ
اَوْزَارَهَا (رکوع اول)	دو تاکہ جنگ اپنے ہتھیار ڈال دے۔

ابن عباس اور دوسرے مفسرین نے تصریح کی ہے کہ یہ آیت جنگ بدر سے کچھ پہلے نازل ہوئی تھی اس میں جنگ کے ابتدائی اصول مسلمانوں کو یہ بتائے گئے تھے کہ :۔

(۱) پہلے کفار کو اتنا مارو کہ ان کا زور ٹوٹ جائے۔

(۲) پھر قید کرو۔

(۳) پھر چاہو احسان کا سلوک کرو اور چاہو تو فدیہ لے لو۔

اس کے بعد معرکۂ جنگ پیش آیا۔ جب مشرکین شکست کھا کر بھاگنے لگے تو مسلمانوں نے ان کا پیچھا چھوڑ دیا اور ان کے تقریباً ستر آدمی گرفتار کر لیے۔ مدینہ واپس جانے کے بعد حضور اقدس نے صحابہ کی کونسل میں یہ مسئلہ پیش کیا کہ ان قیدیوں کے ساتھ کیا برتاؤ کیا جائے۔ مختلف حضرات نے مختلف رائیں دیں۔ حضور نے حضرت ابوبکر کی رائے کو پسند فرمایا اور قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑ دیا۔ یہ بات منشاء الٰہی کے خلاف تھی۔ اگرچہ حق تعالیٰ نے قیدی پکڑنے اور ان سے فدیہ قبول کرنے کی اجازت دے دی تھی۔ مگر حکم تھا یہ کہ پہلے اِثْخَان ہونا چاہیے، یعنی پہلے کفار کا زور اتنا توڑ دیا جائے کہ انہیں دوبارہ مقابلہ میں آنے کی جرأت نہ ہو سکے، اس کے بعد تم ان کے آدمیوں کو پکڑ سکتے ہو اور پھر ان قیدیوں کو اخذ فدیہ کے بعد رہا بھی کر سکتے ہو۔ یہاں ایک اجتہادی غلطی پیش آئی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام کو جدید قانون جنگ کے تحت لڑائی کا یہ پہلا ہی موقع تھا۔ پھر فعل اِثخان جس پر شدِّ وثاق اور اخذ فدیہ کی اجازت موقوف تھی کسی ایسے ضابطے سے منضبط بھی نہ تھا جس سے واضح طور پر یہ معلوم کیا جا سکتا ہو کہ اِثخان کی شرط پوری کرنے کے لیے کفار کی کس حد تک

سرکوبی کافی ہو گی۔ حضور اور عام مسلمان یہ سمجھے کہ کفار کا شکست کھا کر بھاگ جانا اس بات کی دلیل ہے کہ ان کا زور ٹوٹ گیا اور اثخان کی شرط پوری ہو گئی۔ لہٰذا صحابۂ کرام نے کفار کا پیچھا چھوڑ کر ان کے اموال پر قبضہ کر لیا ان کے آدمیوں کو پکڑ لیا، اور پھر حضور اکرم نے صحابہ کے مشورہ سے فدیہ لے کر قیدیوں کو چھوڑ بھی دیا۔ حق تعالیٰ نے اس پر تنبیہ فرمائی کہ تمہارے اجتہاد میں غلطی ہے۔ اثخان ابھی نہیں ہوا تھا تم قبل از وقت غنیمت لوٹنے اور قیدی پکڑنے میں لگ گئے۔ ابھی تم کو اور زیادہ مارنا چاہیے تھا تاکہ کفار پر رعب بیٹھ جاتا۔ اس کے بعد تم نے مزید غلطی یہ کی کہ عجلت سے کام لے کر ان قیدیوں کا فدیہ قبول کر لیا۔ اس میں تمہارے لیے سخت خطرہ ہے۔ یہ لوگ پھر دشمنوں سے جا ملیں گے۔ اور ان کی قوت میں اضافہ ہو گا۔ یہ دونوں کام تم نے ہماری شرط پوری کرنے سے پہلے کیے ہیں۔ اور ان پر ہم تمہیں سزا دے سکتے ہیں، مگر چونکہ اجازت بہرحال ہم پہلے دے چکے تھے، لہٰذا اب معاف کیا جاتا ہے۔ جو کچھ تم نے لیا ہے، جاؤ اسے کھاؤ پیو مگر آئندہ احتیاط رکھنا۔

اس تشریح کے بعد پوری آیت پڑھیے مفہوم بالکل واضح ہو جائے گا اور تمام شکوک و شبہات خود بخود رفع ہو جائیں گے

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِى الْاَرْضِ۔ ایک نبی کے لیے یہ مناسب نہیں کہ اس کے پاس قیدی ہوں۔ پہلے اس کو زمین میں خوب اثخان کرنا چاہیے تاآنکہ اس کی طاقت کا سکہ بیٹھ جائے۔ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ۔ تم دنیا کے فائدے یعنی غنیمت اور مال فدیہ چاہتے ہو مگر اللہ کو تمہاری آخرت کی فکر ہے اور وہ زبردست با تدبیر ہے۔ لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ۔ اگر خدا کی اجازت اس سے پہلے سورہ محمد میں نہ آ چکی ہوتی تو جو کچھ تم نے لیا ہے اس پر سخت عذاب تمہیں آلیتا فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا وَّاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔ گو تم نے ہمارا مقصد سمجھنے میں غلطی کی مگر چونکہ ہماری اجازت ہی سے فائدہ اٹھایا ہے لہٰذا جو کچھ تم نے لیا وہ حلال و طیب ہے اسے کھاؤ، ہاں مگر احتیاط رکھو اور اللہ کے غضب سے ڈرتے رہو اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

یہ تفسیر جو ہم نے بیان کی ہے اس سے ملتی جلتی تفسیر پہلے محققین نے بھی کی ہے۔ مثال کے طور پر ملاحظہ ہو احکام القرآن للجصاص الحنفی جلد ۳ صفحہ ۹۰، اور تفسیر کبیر للامام الرازی جلد ۴ صفحہ ۳۸۰ تا صفحہ ۳۸۹